پاکستان میں خواتین کا مستقبل؟

خواتین کمیشن رپورٹ پر ایک نظر

پروفیسر ثریا بتول علوی ○

جدید دور نے مسلم خواتین کے لیے جو مسائل پیدا کیے ہیں وہ غور و فکر کا موضوع ہیں اور ان پر لکھا جا رہا ہے۔ خواتین کمیشن کو اپنی اساسی قرارداد کی رو سے مسائل کا حل قرآن و سنت کے مطابق پیش کرنا تھا۔ اس کمیشن نے مسائل کو کس نقطۂ نگاہ سے دیکھا ہے' اس کا ایک مفصل جائزہ محترمہ پروفیسر ثریا بتول علوی صاحبہ نے پیش کیا ہے۔ یہ رسالہ ۴۵ صفحات کے اس مقالے کی مکمل اشاعت کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے ہم نے تمہید اور اختتام برقرار رکھتے ہوئے' دس ابواب کے باب وار جائزے میں سے بیشتر حصہ حذف کر کے نمونے کے لیے کچھ حصہ لیا ہے۔ یہ مکمل مقالہ مختصر کتاب کی شکل میں منشورات' منصورہ' لاہور سے دستیاب ہے۔ پاکستان کی نئی حکومت خواتین کے معاملے پر سرگرم محسوس ہوتی ہے اور بجا طور پر اندیشہ ہے کہ خواتین کمیشن کی یہ رپورٹ ہی لائحہ عمل نہ بن جائے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے مکمل جائزے کا مطالعہ کیا جائے۔ (مدیر)

اگست ۱۹۹۷ میں خواتین کمیشن پاکستان کی رپورٹ شائع ہوئی جس میں کمیشن نے پاکستان میں خواتین کی حالت زار بیان کر کے ان کی اصلاح و بہتری کے لیے اپنی دانست کے مطابق سفارشات پیش کیں۔

پاکستانی خواتین کے مسائل اور ان کا حل تجویز کرنے والے اس کمیشن کا قیام ۲۵ ستمبر ۱۹۹۴ کو سینیٹ کی ایک قرارداد کے ذریعے عمل میں آیا تھا۔ یہ قرارداد پیپلز پارٹی کے جناب یحییٰ بختیار نے پیش کی تھی۔ قرارداد کا بنیادی مقصد مارشل لا دور میں جاری ہونے والے' خواتین سے متعلق صدارتی آرڈی نینسوں کا جائزہ لینا تھا کیونکہ ان کے بقول "یہ قوانین خواتین کے لیے غیر مناسب تھے اور پاکستان کے لیے بدنامی

○ پروفیسر گورنمنٹ کالج برائے خواتین' سمن آباد' لاہور۔

کا باعث بن رہے تھے"۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ "خواتین کے لیے ایک اعلیٰ سطحی کمیشن قائم کیا جائے جو نہ صرف غیر مناسب قوانین کی تبدیلی کے لیے سفارشات پیش کرے بلکہ ان ذرائع و وسائل سے بھی بحث کرے جو ان سفارشات کے نفاذ کی ضمانت بن سکیں"۔ بحث کے دوران جماعت اسلامی کے نائب امیر اور سینیٹر پروفیسر خورشید احمد نے دو مزید تجاویز کی طرف توجہ دلائی: (۱) صرف مارشل لا دور کے قوانین ہی کو زیر بحث نہ لایا جائے، بلکہ خواتین سے متعلق تمام قوانین کا از سرنو جائزہ لیا جائے۔ (۲) صورت حال کی بہتری کے لیے قرآن و سنت کی روشنی میں تمام سفارشات پیش کی جائیں۔ ان کی یہ دونوں تجاویز تھوڑے رد و کد کے بعد قبول کر لی گئیں۔

متفقہ طور پر منظور ہونے والی قرارداد کے الفاظ یہ تھے:

> یہ ایوان سفارش کرتا ہے کہ ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیشن قائم کیا جائے جس میں علما، ماہرین قانون اور نمایندہ خواتین شامل ہوں، اور سپریم کورٹ کے ایک جج اس کمیشن کے چیئرمین نامزد کیے جائیں۔ یہ کمیشن تمام قوانین کا، جو آرڈی ننس یا کسی اور ذریعے سے نافذ ہوئے ہوں، جائزہ لے گا کہ وہ خواتین کے حقوق، رہن سہن اور ان کی سماجی و قانونی حیثیت پر کس حد تک اثرانداز ہوتے ہیں۔ پھر وہ ایسے اقدامات تجویز کرے جن کے ذریعے ان قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق بنایا جا سکے۔

وفاقی حکومت نے ایک حکم نامے کے ذریعے ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۴ کو اس کمیشن کے قیام کا اعلان کیا۔ ابتدا میں اس کمیشن کے پانچ ارکان تھے: ۱۔ جسٹس سعد سعود جان (چیئرمین)۔ ارکان: ۲۔ سینیٹر یحییٰ بختیار ۳۔ سینیٹر جاوید اقبال ۴۔ بیگم عاصمہ جہانگیر ۵۔ مولانا محمد طاسین۔ مگر عورتوں کی مختلف نمایندہ تنظیموں نے اس پر اعتراض اٹھایا کہ کمیشن میں عورتوں کی نمایندگی بہت کم ہے۔ چنانچہ اس میں مزید خواتین کو نمایندگی دی گئی۔ ۱۹۹۶ میں جسٹس سعد سعود جان اقوام متحدہ میں چلے گئے تو جسٹس ناصر اسلم زاہد اس کمیشن کے چیئرمین نامزد ہوئے۔ از سرنو تشکیل پانے والے کمیشن کی یہ شکل بنی: جسٹس ناصر اسلم زاہد، چیئرپرسن (چیئرمین کے بجائے)، سینیٹر یحییٰ بختیار، سینیٹر مسعود کوثر، بیگم عاصمہ جہانگیر، مولانا محمد طاسین، بیگم شاہین سردار علی، بیگم شہلا ضیا، بیگم شہباز جاوید، سینیٹر بیگم فضہ جونیجو، بیگم ریحانہ سرور، بیگم انیسہ زیب۔ اس کمیشن کے ارکان پر سرسری نگاہ ڈالنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس میں صرف ایک عالم دین کو نمایندگی دی گئی ہے اور ایک مخصوص مکتبہ فکر کی سات خواتین کو نامزد کیا گیا ہے۔

تین سال تک اس کمیشن کی کئی نشستیں ہوئیں۔ کئی دوسرے لوگوں سے بھی ضروری مشورے لیے گئے، بالآخر اگست ۱۹۹۷ میں حکومت نے یہ رپورٹ جاری کر دی۔ آغاز میں اس کمیشن کی تشکیل کا یہ مقصد بیان کیا گیا تھا کہ اس کی تمام سفارشات قرآن و سنت کے مطابق ہوں گی۔ رپورٹ کے مقدمے میں جسٹس ناصر اسلم زاہد نے بھی یہ لکھا ہے کہ "برعظیم پاک و ہند میں عورت مظلوم ہے۔ گھریلو معاملات میں مرد

حاوی ہے۔ عورت کو انصاف نہیں ملتا۔ یہی صورت حال زندگی کے دیگر معاملات میں بھی ہے---- آخر وہ کہاں تک احتجاج کر سکتی ہے۔ اسلام نے اسے جو حقوق دیے ہیں، ان کے بارے میں بھی عوام الناس میں بڑے مغالطے پائے جاتے ہیں کہ وہ عورتوں کو صرف گھر کی چار دیواری تک محدود رکھتا ہے اور باہر نکل کر ملازمت یا اپنا کاروبار کرنے سے روکتا ہے حالانکہ قرآن و حدیث نے تو اس کو اونچا مقام دیا ہے"۔ اس طرح گویا وہ یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ کمیشن کی تمام سفارشات قرآن و سنت کی حدود کے اندر ہیں، اس کے برعکس یا مخالف نہیں ہیں (خواتین کے بعض اجلاسوں میں جسٹس ناصر اسلم زاہد نے یہ چیلنج بھی کیا کہ ان کے کمیشن کی کسی سفارش کو قرآن و سنت کے خلاف ثابت کیا جائے)۔

اس نقطۂ نظر سے رپورٹ کی سفارشات کا جائزہ لیا جائے تو صورت حال یکسر مختلف نظر آتی ہے۔ پوری رپورٹ میں بار بار جس بات کا اعادہ کیا گیا ہے اور ابتدا ہی میں جس مقصد کو اپنی غرض و غایت بتایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم آج کی دنیا میں الگ تھلگ نہیں رہ سکتے۔ دوسری اقوام کے شانہ بشانہ چلنے کے لیے ہمیں اپنے قوانین کو ان کے مطابق بنانا ہو گا۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ پاکستان خواتین کے بین الاقوامی کنونشن مثلاً "سی ڈا" (Cedaw) (خواتین کے متعلق ہر قسم کے امتیاز کے خلاف اقوام متحدہ کا کنونشن، "Convention of U.N.O on the elimination of all kinds of discrimination against women" ، اس دستاویز کو جنرل اسمبلی نے ۱۹۷۹ میں پاس کیا تھا) اور اقوام متحدہ کے دیگر پروگراموں پر دستخط کر چکا ہے۔ اس کمیشن نے اس طرح صاف لفظوں میں بتا دیا کہ اس کمیشن کا مقصد اقوام متحدہ اور دوسرے عالمی اداروں کے پروگرام پر عمل درآمد کی راہ ہموار کرنا ہے۔ اس کمیشن نے خواتین کے لیے کام کرنے والی رضاکار تنظیموں یعنی این جی اوز کو بھی خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ان میں سے بیش تر تنظیمیں وہ ہیں جو ۱۹۸۰ کے عشرے میں غیر ملکی سرمائے سے قائم ہوئیں۔ ان تنظیموں کا مقصد ہی یہ تھا کہ مغرب کی بے خدا ثقافت اور کلچر کو وطن عزیز کے کونے کونے تک پہنچا دیں۔ اس رپورٹ کو مرتب کرنے والی خواتین کا بھی یہی مقصد معلوم ہوتا ہے۔

سپریم کورٹ کے جج کی سربراہی میں قائم کیے گئے خواتین کے حقوق سے متعلق اس کمیشن نے جو سفارشات پیش کی ہیں، وہ مذکورہ بالا حقیقت کا زندہ ثبوت ہیں۔ بطور نمونہ چند سفارشات ملاحظہ ہوں:

- بیوی کی مرضی کے بغیر ازدواجی تعلق کو قابل سزا جرم (marital rape) قرار دیا جائے (ص ۷۵)۔
- عورت کو ۱۲۰ دن کا حمل ساقط کرانے کا حق حاصل ہونا چاہیے (ص ۵۸)۔
- عورت کو شوہر کی مرضی کے بغیر نس بندی آپریشن کرانے کی اجازت دی جائے (ص ۹۵)۔
- کم عمر بیوی سے اس کی مرضی کے بغیر ازدواجی تعلق قائم کرنے کو زنا قرار دیا جائے (ص ۶۱، ۷۵)۔

ان سفارشات کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ وطن عزیز میں اقوام متحدہ کی زیر سرپرستی قاہرہ کانفرنس (۱۹۹۴) اور بیجنگ کانفرنس (۱۹۹۵) کے آزادی نسواں کے پروگراموں ہی کو آگے بڑھانے کا ایک باضابطہ پروگرام ہے۔ ان کا ایجنڈا اس کے سوا اور کیا ہے کہ حقوق نسواں اور مساوات مرد و زن کے دل فریب نعروں کے پردے میں مغرب کی بے حیائی اور فحاشی اور ان کی تہذیب و ثقافت کو مسلم ممالک میں زبردستی مسلط کر دیا جائے۔

یہ کمیشن دراصل پیپلز پارٹی کی بے نظیر بھٹو صاحبہ کے دور حکومت میں بنا تھا۔ وہ خود شعائر اسلامی کا مذاق اڑاتی رہتی ہیں۔ اسی لیے اس قسم کی خواتین اس کمیشن میں لی گئیں۔ ان کی روح رواں عاصمہ جہانگیر، بنیادی انسانی حقوق کمیشن پاکستان کی چیئرپرسن اور پاکستان میں اس نام نہاد "رضاکار" تنظیم کی تنخواہ دار ملازم ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد صرف اقوام متحدہ کو راضی کرنا ہے۔ اس لیے وہ اللہ کو راضی کرنے اور قرآن و سنت کی پیروی کے بجائے اقوام متحدہ کے کنونشن اور عالمی معاہدوں کی پابندی کو اپنا شعار سمجھتی ہیں۔ آخر دنیا کا وہ کون سا ملک ہے جس نے اقوام متحدہ کے تمام معاہدوں پر دستخط کیے ہوں اور ان کی پابندی بھی کی ہو۔ امریکہ نے ۶۰ معاہدوں میں سے ابھی تک صرف ۱۵ پر دستخط کیے ہیں۔ اگر پاکستان ان میں سے کسی معاہدے کو اپنے ملی و ملکی تقاضوں کے برعکس سمجھتے ہوئے اس پر دستخط نہ کرے تو کون سی قیامت آ جائے گی۔ بہرحال عاصمہ جہانگیر اور اسی مکتبہ فکر کی مزید چھ خواتین (کل سات) نے مل کر جو کارنامہ انجام دینا تھا، یعنی اسلامی جمہوریہ پاکستان کی اسمبلی کے فلور سے خواتین سے متعلق ایک ایسی رپورٹ تیار کر دینا، جس کی بیشتر دفعات قرآن و سنت سے متصادم ہیں، وہ یہ کام کرنے میں کامیاب ہو گئی ہیں۔

کمیشن میں صرف ایک عالم دین تھے، مولانا محمد طاسین صاحب، انھوں نے "عائلی قوانین، خاندانی منصوبہ بندی، تعدد ازدواج اور خواتین اور معاشی سرگرمیاں" کے چار عنوانات کے تحت تین صفحات پر مشتمل ایک اختلافی نوٹ لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "اس رپورٹ میں جو تجاویز مرتب اور پیش کی گئی ہیں، ان میں سے زیادہ تر ایسی ہیں جن سے مجھے پورا اتفاق ہے۔ میں اپنے اسلامی علم و فہم کے مطابق جو قرآن و حدیث پر مبنی ہے، نہ کہ کسی خاص فقہ پر، ان تجاویز کو صحیح سمجھتا ہوں۔ البتہ کچھ تجاویز ایسی بھی ہیں، جن سے مجھے اتفاق نہیں، اختلاف ہے، جس کا اظہار میں نے اپنے بعض اختلافی نوٹس میں دلائل کے ساتھ کر دیا ہے اور وہ اس رپورٹ میں شامل ہیں"۔

رپورٹ میں کچھ تجاویز معقول بھی ہیں۔ جیسے کام کرنے والی عورتوں کے تحفظ کے لیے خصوصی قوانین بنانے کی ضرورت تاکہ خواتین کو تحفظ مل جائے اور ہر قسم کے جنسی استحصال سے وہ محفوظ رہیں، یا عورتوں کو ملازمت اور روزگار دلانے کے مواقع زیادہ کرنا۔ مگر یاد رہے کہ عورتوں کی تعلیم و تربیت اور روزگار وغیرہ سب کچھ شرعی حدود کے اندر رہنا چاہیے۔

راقمہ سے محدود علم کی بنا پر کچھ لغزشیں ہو سکتی ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ اس پوری رپورٹ پر اسلامی نظریاتی کونسل میں بحث ہو، اس کی غیر شرعی اور غیر اسلامی سفارشات کو مسترد کیا جائے اور شرعاً درست اور معقول تجاویز پر اسمبلی میں قانون سازی کر کے ان کو وطن عزیز میں نافذ کیا جائے تاکہ حقیقتاً خواتین کی حالت روبہ اصلاح ہو۔

(اس کے بعد مصنفہ نے رپورٹ کے دس ابواب کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے ا۔ دستور، ۲۔ سیاسی امور میں شرکت، ۳۔ شہریت، ۴۔ عائلی قوانین، ۵۔ محنت اور ملازمت کے قوانین، ۶۔ فوجداری قوانین، ۷۔ قانون شہادت، ۸۔ عورتوں پر تشدد، ۹۔ ترقی کے حقوق، ۱۰۔ اداروں کی اصلاح اور نئے اداروں کا قیام۔ ہم صرف پہلے باب کا جائزہ پیش کر رہے ہیں)۔

باب ا: دستور

☆ کمیشن، دستور میں ہر جگہ بنیادی حقوق کے ضمن میں جنسی امتیاز کے خاتمے کی سفارش کرتا ہے۔

○ کمیشن "قرارداد مقاصد" کو دستور کا حصہ بنانے پر معترض ہے۔ اس کے خیال میں قرارداد مقاصد کو دستور کے اندر شامل کرنا خود بانیان پاکستان کا مقصود نہ تھا۔ وہ تو اس کو صرف گائیڈ لائن کی حیثیت دینا چاہتے تھے۔

○ کمیشن دستور میں دیے گئے بنیادی حقوق کی دفعات کے الفاظ تک کو اقوام متحدہ کے کنونشن "سی ڈا" کی دستاویز میں دیے گئے الفاظ کے مطابق تبدیل کرنے کی سفارش کرتا ہے۔ یعنی وہ اس شق کا خصوصی اضافہ چاہتا ہے کہ تمام قوانین جنسی امتیاز سے بالا ہوں گے (ص ۲)۔ حالانکہ یہ دفعہ دستور پاکستان میں پہلے سے موجود ہے لیکن کمیشن شاید اس سے مطمئن نہیں۔

○ کمیشن کو دستور میں اظہار رائے کی آزادی کے ضمن میں تہذیب اور اخلاقیات (decency and morality) کے الفاظ تک گوارا نہیں ہیں۔ وہ ان الفاظ کو نکال دینے کی سفارش کرتا ہے (ص ۳)۔

○ کمیشن آٹھویں ترمیم کی ان دفعات کو بھی ختم کرنے کی سفارش کرتا ہے جنھوں نے ۱۹۷۳ کے "آئین کا حلیہ بگاڑ" کر رکھ دیا ہے اور عورتوں کے خلاف امتیازی قوانین بنائے ہیں (ص ۷)۔

○ کمیشن اسلامی نظریاتی کونسل میں بھی عورتوں کی مناسب نمایندگی کا خواہاں ہے (ص ۶)۔

○ کمیشن وفاقی شرعی عدالت کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے اس کو ختم کرنے کی سفارش کرتا ہے۔ اس کے خیال میں اس سے بھی عورتوں اور اقلیتوں کے حقوق بری طرح متاثر ہوتے ہیں (ص ۷)۔

○ کمیشن، مسلح افواج اور پولیس میں بھرتی کے لیے عورتوں کے خلاف کسی قسم کا امتیاز برقرار رکھنا نہیں چاہتا۔ وہ چاہتا ہے کہ ان اداروں میں عورتوں کی کھلی شمولیت ہونی چاہیے (ص ۲)۔

○ کمیشن عدلیہ میں بھی خواتین کو برابری کی بنیاد پر نمایندگی دینے کی سفارش کرتا ہے (ص ۷)۔

○ دستور میں دی گئی حصول تعلیم کی آزادی کے تحت کمیشن سفارش کرتا ہے کہ ہر قسم کے تعلیمی اداروں کے دروازے خواتین کے لیے کھول دیے جائیں (ص ۳)۔

○ کمیشن سفارش کرتا ہے کہ غیر مسلموں کے لیے جداگانہ انتخابات کا طریقہ ختم کر کے مخلوط انتخابات کا طریقہ رائج کیا جائے (ص ۷)۔

❑ دستور کے ضمن میں پیش کی گئی سفارشات اور ترمیمات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کمیشن وطن عزیز میں ہر جگہ مغربی تہذیب کے زیر اثر مخلوط معاشرے کو رواج دینا چاہتا ہے۔ اسی لیے وہ وفاقی شرعی عدالت کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ خواتین کے لیے ہر قسم کی تعلیم کے دروازے کھول دینا اور ہر محکمے میں ملازمت کے لیے کھلے مواقع دینا--- کیا یہ قرآن و سنت کا منشا ہے؟ اور کیا خواتین واقعی مسلح افواج اور پولیس اور عدلیہ میں اسی طرح موزوں اور کار آمد ہیں جیسے مرد؟ اگر ایسا ہے یا ہو سکتا ہے تو خود مغربی ممالک میں ان میدانوں میں عورتوں کی ملازمت کی شرح کیا ہے؟

جہاں تک اسلامی نظریاتی کونسل میں عورتوں کی نمایندگی کا مسئلہ ہے تو جو عورت عالم باعمل ہے وہ اس کی نمایندہ بن سکتی ہے۔ اس پر کسی کو اعتراض نہیں۔ ظاہر ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل میں دین کا فہم رکھنے والی عورت ہی آئے گی۔

اسلام تو مرد اور عورت دونوں کی جسمانی ساخت اور فطری صلاحیتوں کے پیش نظر دونوں کے دائرہ کار کا تعین کرتا ہے۔ اسلام کا موقف یہ ہے کہ مرد اور عورت اپنی اپنی جسمانی ساخت اور طبعی صفات کی بنا پر الگ الگ مقصد کے لیے تخلیق کیے گئے ہیں۔ عورت کا دائرہ کار بنی نوع انسان کی بقا، بچوں کی پرورش اور تربیت اور گھرداری ہے، جب کہ مرد کا دائرہ کار اپنے بیوی بچوں کے لیے روزی کمانا اور ملک و معاشرے کے معاملات کو چلانا ہے۔

عورت اگر گھر کے اندر رہے تو وہ ماں، بہن، بیوی، بیٹی کی حیثیت سے باعزت مقام کی مالک ہے لیکن اگر گھر سے نکل کر مردوں کے دوش بدوش کھڑی ہونے لگے تو اس کا وہی انجام ہو گا جو اس وقت مغربی خواتین کا ہو رہا ہے۔ عورت کا صنف نازک ہونا اس کو گھر کے اندر تو گھر کی ملکہ بناتا ہے مگر یہی وصف گھر کے باہر کی پر مشقت زندگی میں اس کو حقیر، بے وقعت اور بے بس بنا کر رکھ دیتا ہے۔ وہ مردوں جیسے کام نہیں کر سکتی۔ اس لیے ناکام ہو کر رہ جاتی ہے اور خاندانی نظام الگ برباد ہوتا ہے، جو بہت بڑا نقصان ہے۔

"بنیادی حقوق" کی اصطلاح ایک اضافی اصطلاح ہے۔ ہر معاشرہ اپنے ملک کی مخصوص نظریاتی بنیادوں اور سماجی قدروں کی روشنی میں اپنے لیے حقوق کا تعین کرتا ہے۔ امریکہ و یورپ کی جدید جمہوری ریاستیں اپنے بنیادی حقوق کا مآخذ اپنی جمہوری "قدروں" کو دیکھتی ہیں۔ پاکستان جیسی اسلامی نظریاتی ریاست میں بنیادی حقوق

کا تعین اسلامی احکامات کی روشنی میں کیا جانا ضروری ہے۔ اسلامی ریاست میں قرآن و سنت سے متصادم کسی بنیادی حق کا تصور نہیں۔ لہٰذا پاکستان میں بنیادی حقوق کو اسلام کی روشنی میں متعین کیا جائے گا، نہ کہ مغرب کے بنیادی حقوق کے فلسفے کی روشنی میں۔ ملک میں سپریم لا قرآن و سنت ہے اور ان بنیادی حقوق کی دفعات بھی آئین پاکستان کی اسلامی دفعات کے تابع ہیں ان سے برتر یا ماورا نہیں ہو سکتیں۔

کمیشن بار بار اصرار کرتا ہے کہ آئین پاکستان میں دیے گئے بنیادی حقوق کو اقوام متحدہ کے چارٹر سے ہم آہنگ کیا جائے، یا "سی ڈا" کے مطابق کیا جائے۔ ان کا یہ مطالبہ آئین کی اسلامی روح کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا سارا زور حدود قوانین اور وفاقی شرعی عدالت کے خاتمے پر ہے۔

ہماری عدالتوں کے جج صاحبان کی پوری تربیت مغربی تعلیم کے زیر اثر ہوتی ہے۔ وہ مغرب کے آئین و قانون کو جتنا جانتے ہیں، قرآن و سنت اور مسلمان فقہا کی عظیم فقہی آرا کے ذخیرے سے اتنا واقف نہیں ہوتے۔ سیکولر تعلیم کے زیر اثر وہ کسی ایسے موضوع پر فیصلہ دینے سے ہچکچاتے ہیں جہاں ان کے فیصلے پر مغربی ذرائع ابلاغ کی طرف سے تنقید کا احتمال ہو۔ سپریم کورٹ کے فاضل جج جسٹس ناصر اسلم زاہد کی سربراہی میں قائم عورتوں کے تحقیقاتی کمیشن کی سفارشات سامنے آنے کے بعد یہ حقیقت مزید واضح ہو گئی ہے۔ کیا تحقیقاتی کمیشن کی عورتوں سے متعلق بے شمار سفارشات اسلامی احکام سے متصادم نہیں ہیں؟ کیا مساوات مرد و زن کا فتنہ اور مادر پدر آزاد مخلوط معاشرے کے قیام کا مطالبہ آئین پاکستان کے بنیادی حقوق کی فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے؟

☆ کمیشن کی سفارش ہے کہ آرٹیکل ۱۱ میں غلامی اور جبری مشقت کے ضمن میں عورتوں پر ہر قسم کی عصمت فروشی اور جنسی استحصال پر پابندی شامل کی جائے۔

❑ یہ تجویز بڑی معقول ہے لیکن کمیشن اس کے متعلق ٹھوس اور حتمی سفارشات پیش نہیں کر سکا، بلکہ اس نے عصمت فروشی کے اڈوں اور بازاروں میں گناہ اور ذلت کی زندگی بسر کرنے والی ہزاروں لڑکیوں کی اصلاح کے لیے کوئی تجویز پیش نہیں کی۔ درحقیقت ان کو آبرو مندانہ زندگی گزارنے کے قابل بنانا اور ان مکروہ اڈوں کا آہنی ہاتھوں سے قلع قمع کرنا حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔

مجموعی تاثرات و مجوزہ سفارشات

❑ کمیشن کی ۱۸۰ صفحے کی پیش کردہ رپورٹ کا لب لباب یہ ہے کہ پاکستانی آئین میں سے حدود قوانین نکال دیے جائیں۔ وفاقی شرعی عدالت ختم کر دی جائے اور پاکستان کے عائلی قوانین میں اقوام متحدہ اور دوسرے مغربی ممالک کے قوانین شامل کیے جائیں۔ اسقاط حمل کو جائز قرار دینے کی

سفارش، مرد و عورت کو یکساں وراثت دینے کی سفارش، اسلامی سزائیں ختم کرنے کی سفارش، بیوی کی مرضی کے برعکس جنسی وظیفہ ادا کرنے پر اس کو ازدواجی زنا (marital rape) قرار دے کر سزا دلوانے کی سفارش، عورت کی شہادت اور دیت مرد کے برابر قرار دینے کی سفارش، ہر جگہ مرد کے ساتھ ساتھ عورت کو بھی ولی بنانے کا تذکرہ۔ غیر مسلموں کے لیے مخلوط انتخابات کی سفارش، پھر مذہب کا لحاظ کیے بغیر ان کے ساتھ رشتے ناطے کرنے کی سفارش۔ غرض کس کس بات کا ذکر کیا جائے۔ یہ ساری سفارشات قرآن و سنت سے متصادم ہیں۔ اس طرح کمیشن بنیادی طور پر اپنی وہ ذمہ داری پوری کرنے میں ناکام رہا جس کے لیے اسے تشکیل دیا گیا تھا۔ اسے تو صرف قرآن و سنت کی بنیاد پر قوانین کا جائزہ لینا تھا اور ان تمام امور کی نشان دہی کرنا تھی جو قرآن و سنت کے منافی ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رپورٹ بدنیتی پر مبنی ہے۔ قرآن و سنت کے نام پر اپنے مغربی افکار و نظریات کا پرچار کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآنی احکام اور اسلامی احکام کی توہین کرنے والوں کا نوٹس لے۔ پھر انھوں نے خلاف اسلام کام کے لیے سرکاری خزانے سے جو خطیر رقم وصول کی ہے وہ بھی ان سے واپس لی جائے۔ اگر یہ اقدام نہ کیا گیا تو پھر یہ لوگ پروپیگنڈے کے زور پر اور بیرونی آقاؤں کی مدد سے ہمارے عائلی قوانین اور قانون حدود و تعزیرات میں نقب لگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ جو پاکستان کی نظریاتی اسلامی ریاست کے لیے تباہی و بربادی کا پیغام ہو سکتا ہے۔

مرد اور عورت کا تعلق: رپورٹ میں مرد و عورت کو دو ایسے مدمقابل حریف ثابت کیا گیا ہے جو ہر وقت آستینیں چڑھائے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ خاندان کا کوئی سربراہ نہیں۔ کوئی بات ماننے والا نہیں۔ میں بھی رانی، تو بھی رانی، کون بھرے گا پانی والا نقشہ نظر آتا ہے۔ یہ دراصل ہمارے خاندانی نظام پر ضرب کاری لگانے کی سازش ہے۔ اسلام کا خاندانی نظام جو پوری دنیا میں بہترین سمجھا جاتا ہے، اس کو برباد کرنے کی سفارشیں اور مشورے ہو رہے ہیں تاکہ یہاں بھی مغرب جیسا مادر پدر آزاد معاشرہ قائم ہو جائے، جہاں جنسی ہوس خوفناک اور سنگین مسائل پیدا کر دے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان شریف اور باحیا خواتین تو اپنے مردوں کو اپنا ہمدرد اور غم گسار سمجھتی ہیں۔ وہ ان کے مہربان باپ، محبوب شوہر، فرزند دل بند اور برادر مکرم ہیں۔ وہ ان کے محافظ اور نگران ہیں۔ ان کے اوپر خرچ کرنے والے ہیں، اور ان کے ولی ہیں۔ عورتیں مردوں کے بغیر غیر مکمل اور مرد عورتوں کے بغیر غیر مکمل ہیں۔ اگر مرد اپنے بیرونی کاموں کی بنا پر عزت اور تکریم پاتا ہے تو عورت اپنے گھریلو کاموں کی بنا پر احترام اور وقار کی حق دار بنتی ہے۔ شریعت نے دونوں کا اجر اور ثواب اپنے اپنے دائرہ کار اور اعمال کی بنا پر برابر رکھا ہے۔

دنیا کے حقوق اور آخرت کے ثواب میں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ زندگی کا نظام چلانے میں

دونوں برابر کے شریک ہیں۔ تاہم فطری اور حیاتیاتی فرق کا لحاظ رکھتے ہوئے اسلام نے دونوں کے درمیان تقسیم کار کا اصول رکھا ہے نہ کہ یکسانیت کار کا اصول۔

تقسیم کار کا اصول: ایک مصنف کے بارے میں اگر کہا جائے کہ وہ انسانیت کی بڑی خدمت اس وقت کر سکتا ہے جب اسے مطالعہ کے کمرے سے نکال کر کشتی کے اکھاڑے میں کھڑا کر دیا جائے' تو یہ ایک احمقانہ حرکت ہو گی۔ جس کا نتیجہ اس مصنف کا بھی نقصان ہے اور انسانیت بھی اس کی تصنیفی خدمات سے محروم رہ جائے گی۔ یہی بات مرد و عورت کے بارے میں بھی صحیح ہے۔ جسم میں آنکھ جیسا نازک حصہ بھی ہے اور ناخن جیسا سخت حصہ بھی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ناخن جسم کی زیادہ خدمت کر رہا ہے اور آنکھ جسم کی کم خدمت کر رہی ہے۔ اسی طرح عورت گھر کے اندر رہ کر اپنی فطری ذمہ داریاں جس انداز سے پوری کر سکتی ہے' اسی سے وہ قوم کو بہتر فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ پھر اس کی اندرون خانہ ذمہ داریاں کسی طرح بھی مرد کی بیرونی خدمت سے کم نہیں ہیں بلکہ مرد کی ذمہ داریوں سے کچھ زیادہ ہی اہم ہیں۔ گھروں میں سکون نہ ہو تو باہر مرد کیسے کام کر سکیں گے؟

عورت کی ترقی کا مطلب: عورت کو ترقی دینے کا یہ راز نہیں کہ اس کو زندگی کے ہر میدان میں داخل کر دیا جائے بلکہ اس کی ترقی کا اصل راز اس کو باشعور بنانا ہے۔ عورت جتنی صاحب علم اور باشعور ہو گی اتنی خوش اسلوبی سے وہ تعمیر قوم میں اپنا حصہ ڈال سکے گی۔ اگر عورت باشعور ہے تو گھر کے اندر رہ کر شوہر کو سکون اور اولاد کو بہترین تربیت دے کر وہ بڑے بڑے کام سرانجام دے سکتی ہے۔ اور اگر وہ بے شعور ہے تو اُس کو چوراہے میں کھڑا کر دیا جائے تب بھی وہ کوئی بڑا کام نہیں کر سکتی۔ تقسیم کار کے اصول کے تحت اگرچہ عورت گھر کے اندر ہوتی ہے مگر وہ ذہنی اور قلبی طور پر اپنے شوہر' باپ' بھائی اور بیٹے کی شریک کار ہوتی ہے' جو بیرون خانہ ذمہ داریاں انجام دیتا ہے۔ عورت کا مرد سے بہت گہرا اور جذباتی تعلق ہے۔ وہ اس کی مشیر اور غم خوار ہے۔ زندگی کے ہر معاملے کو کنٹرول کر رہی ہے۔ ۵۰ فی صد گھر میں رہ کر براہ راست اور ۵۰ فی صد معاملات میں بالواسطہ طور پر۔ زندگی کی تعمیر میں عورت کا کردار بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا مرد کا۔ اس کا انحصار اس بات پر نہیں کہ جسمانی طور پر عورت کو کہاں کھڑا کیا گیا ہے' بلکہ اس بات پر ہے کہ اس کو کتنا باشعور بنایا گیا ہے۔ لہٰذا ضروری ہو گیا ہے کہ عورت کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔ اس کی مناسب تربیت کی جائے۔ اس کو اپنی ذمہ داریوں کا اور اپنے حقوق کا شعور دیا جائے۔ اپنے جسم کی سجاوٹ اور اپنے میک اپ کی نمود و نمایش کے بجائے زیور حیا سے مزین کیا جائے۔

خواتین کے حقوق کے بارے میں کمیشن نے جو مثبت سفارشات پیش کی ہیں' ان پر ہمدردانہ غور کرنے اور مناسب تجاویز کو بروے کار لانے کے لیے اقدامات کرنا ضروری ہیں۔ وہ معاشرے کا آدھا حصہ ہیں' ان کے مصائب اور شکایات کا ازالہ کرنا' ان کو حقوق و فرائض کا شعور دینا اور اسلامی احکام کے مطابق بہترین

اخلاقی تربیت دینا، ضروری ہے۔ عورت ماں بھی ہے۔ وہ ماں کی حیثیت سے بہت زیادہ عظمت و احترام کی مستحق ہے۔ اس لیے اگر عورت کے مسائل اور مشکلات سے صرف نظر کی گئی، تو مغرب کی طرح اسے آہستہ آہستہ اسلام اور موجودہ معاشرے سے نفرت ہو جائے گی اور وہ بغاوت کردے گی۔ آئے روز لڑکیاں گھروں سے بھاگ کر دارالامان میں پہنچ رہی ہیں۔ یہ اس جانب پیش قدمی ہے۔ ضرورت ہے کہ حکومت، علما، دانشور سب مل کر عورت سے روا رکھے جانے والے ظلم و استحصال کا جائزہ لیں۔ اس کی دینی و اخلاقی تربیت کا وسیع پیمانے پر بندوبست کریں۔ جگہ جگہ ترجمہ قرآن کی کلاسیں قائم کی جائیں۔ شریعت اسکول اور شریعت کالج قائم کر کے عورت کو اسلام کی مطلوب مومنہ کا کردار ادا کرنا سکھایا جائے۔ بے پردہ اور مخلوط معاشرت کو ختم کر کے عورت کے استحصال کی راہیں بند کی جائیں۔ جنسی آسودگی کے لیے مناسب وقت پر بچیوں کی شادیاں کی جائیں۔ بلاوجہ تاخیر نت نئے مسائل جنم دے رہی ہے۔ اس غرض کے لیے جہیز اور لمبی چوڑی بارات پر پابندی کا قانون قابل ستایش ہے۔ بشرطیکہ اس پر صحیح معنوں میں عمل کروایا جائے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ پورے معاشرے کو ایک اکائی سمجھتے ہوئے اس کے مسائل کا تجزیہ کیا جائے اور پورے معاشرے کو ظلم و ستم، بے انصافی اور استحصال سے بچانے کی مشترکہ جدوجہد کی جائے۔ باقی رہ گئی یہ رپورٹ تو اس طرح کی رپورٹیں ظلم و ستم کا خاتمہ کرنے میں کامیاب تو نہیں ہو سکتیں، نہ ہی یہ بے انصافی اور ظلم کی اصل وجوہ کا تعین کر سکتی ہیں، بلکہ مسائل کو غیر فطری انداز میں الجھا کر انسانیت کا دامن مزید مسائل، بے انصافیوں اور ظلم و استحصال سے بھر دیں گی۔

اگر آپ ہر دلیل مغرب کی طرف سے درآمد کرنے پر مصر ہیں تو پھر یہ نکتہ بھی زیر غور رہنا چاہیے کہ دور جدید میں اسلام تیزی سے مغربی ممالک میں فروغ پا رہا ہے۔ جدید تعلیم یافتہ نسل جو عقل و فہم اور شعور کی روشنی میں اسلام کو قبول کر رہی ہے، وہ اسلام کی زندہ، متوازن، فطری اور قابل عمل تعلیمات سے شدید متاثر ہو کر برضا و رغبت اس کو من و عن اختیار کر رہی ہے اور ان میں بھی زیادہ تعداد خواتین کی ہے۔ وہ جب اسلام میں عورت کا پروقار مقام و مرتبہ دیکھتی ہیں خصوصاً بڑھاپے میں جب مغربی عورت ردی کی ٹوکری کی طرح دارالضعفا میں بقیہ زندگی سسک سسک کر گزارنے پر مجبور ہوتی ہے اور عین اسی دور میں مسلمان بوڑھی خاتون اپنے بیٹے بیٹیوں، بہو، دامادوں اور بے شمار پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کی بے لوث خدمت اور دلی احترام کے حقوق سے مستفید ہو رہی ہوتی ہے، تو یہی روح پرور منظر مغربی عورت کو حلقہ بگوش اسلام ہونے کے لیے مہمیز کا کام دیتا ہے۔ برطانوی خاتون اول چیری بلیئر کا کہنا ہے کہ اسلامی لباس عورت کو بری نگاہ اور ڈیپریشن سے محفوظ رکھتا ہے (نوائے وقت، ۲۹ جولائی ۱۹۹۸)۔ مس کیتھلین میکنانل جو اسسٹنٹ اسکالر کی حیثیت سے امریکن انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان اسٹڈیز سے "پاکستانی خواتین" کے موضوع پر پی ایچ ڈی کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں، لکھتی ہیں:

"پاکستانی عام خواتین کی بہت بڑی تعداد سیکولر یا ترقی پسند خیالات کی بجائے اسلامی اصولوں اور اسلامی فکر پر یقین رکھتی ہے۔ لہٰذا پاکستانی تحریک نسواں میں اسلامی سوچ کا کار فرما رہنا اس تحریک کی کامیابی کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ پاکستانی خواتین اپنے حقوق کی جنگ میں کامیابی اسلامی اقدار اور اصولوں کے مطابق جدوجہد کرتے ہوئے ہی حاصل کر سکتی ہیں" (نوائے وقت' ۲۶ جولائی ۱۹۹۸)۔

انھوں نے مزید کہا کہ "پاکستان میں تحریک نسواں کی قیادت مغربی اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کے ہاتھوں میں ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ خواتین عام پاکستانی خواتین سے قریبی روابط استوار کریں اور ان کے مسائل اور ان کا حل پاکستانی خاتون کی عام طرز زندگی' سوچ اور نفسیات کے مطابق پیش کریں" (حوالہ' ایضاً)۔

اس وقت پاکستانی خواتین کے اصل مسائل جن کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے' وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حق مہر کی فوری ادائیگی' وراثت کی ادائیگی' طلاق یا شوہر کی وفات کی شکل میں دوران عدت اور دوران رضاعت اس کے اخراجات کی ذمہ داری اور بچوں کے اخراجات۔ دوسری شادی کرنے پر پہلی بیوی کے ساتھ عدل اور اس کو معلق نہ چھوڑنا وغیرہ۔ بیوہ اور مطلقہ کی دوسری شادی کے سلسلے میں معاشرتی دباؤ کا خاتمہ' اور بے آسرا خواتین کو حکومت کی طرف سے کفالت کا حق دیا جائے۔

۲۔ ضرورت پڑنے پر عورت کو عدالت سے رجوع کا حق دیا جائے' اسے سستا اور فوری انصاف دیا جائے' علاوہ ازیں عائلی مقدمات کی سماعت بند کمرے میں ہو۔

۳۔ میٹرک تک خواتین کے لیے لازمی اور مفت تعلیم جس میں ان کی ضروریات کے پیش نظر دینی و اخلاقی تعلیم' بچوں کی نگہداشت' ابتدائی طبی امداد' نفسیات' گھروں میں سبزیوں کی کاشت' مرغ بانی کا انتظام اور چھوٹی گھریلو دستکاریوں کی تربیت شامل ہو۔

۴۔ خواتین میں سادگی کو فروغ دینے کے لیے میڈیا سے منفی پروگرام ختم کیے جائیں۔ اسراف' رسومات' چراغاں اور توانائی کے بے دریغ استعمال پر پابندی عائد کی جائے۔ تمام سرکاری تقریبات میں بھی سادگی کا خصوصی خیال رکھا جائے۔ نیز ٹی وی پر فضول اور فحش پروگرام ختم کیے جائیں۔

۵۔ خواتین کے اشتہارات بند کیے جائیں۔ اس کی بجائے تاجر حضرات اشتہارات کی رقم کو غریب خواتین میں تقسیم کریں۔ نیز اپنی مصنوعات کے مناسب منافع وصول کریں۔ گراں فروشی نہ رہے۔

۶۔ میک اپ کی تمام اشیا کی درآمد پر پابندی لگائی جائے اور ان کے مضر اثرات سے خواتین کو آگاہ کیا جائے۔ دوسری طرف ملکی مصنوعات کے استعمال کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دی جائے۔

۷۔ خواتین کے لیے مناسب کھیلوں کا بندوبست الگ کیا جائے جہاں مرد موجود نہ ہوں اور خواتین

کے لیے سکھانے والے کوچ بھی خواتین ہی ہوں۔

۸۔ خاندانی منصوبہ بندی کی تمام ادویات [جو حقیقت میں نوزائیدہ بچوں اور ان کی ماؤں کے لیے نقصان دہ ہیں] کی درآمد پر پابندی لگائی جائے۔ خاندانی منصوبہ بندی کی مد میں خرچ ہونے والی تمام رقم زچہ بچہ کی صحت کی اصلاح پر صرف کی جائے۔

۹۔ جو ضرورت مند خواتین سرکاری و نجی اداروں میں ملازمت کرنا چاہتی ہوں، ان کی صلاحیت اور تعلیمی قابلیت کے علاوہ ان کی خاندانی ذمہ داریوں کے پیش نظر، ان کے لیے مناسب اوقات کار مقرر کیے جائیں۔ نیز ان کے لیے ٹرانسپورٹ اور ان کے تحفظ کا بندوبست لازمی کیا جائے۔

اسلام نے عورت کو جو وقار اور عزت و احترام دیا ہے وہ اسے عورت کی حیثیت سے دیا ہے، جب کہ مغرب عورت پر ترقی کے دروازے کھولتا ہے مگر اس کو مرد مذکر بنا کر۔ وہ عورت جو صرف گھرداری کے فرائض انجام دینے والی ہو، آج بھی مغرب میں اتنی ہی ذلیل و حقیر ہے جتنی پہلے تھی۔ بیٹی کو اسلام نے رحمت قرار دیا ہے۔ نیک بیوی کو دنیا کی بہترین متاع قرار دیا ہے اور ماں ہونے کی حیثیت سے تو عورت کی عظمت کے کیا کہنے۔ اسلام نے ماں کو باپ کے مقابلے جو تین گنا زیادہ مقام دیا ہے اور اس کے پاؤں تلے جنت رکھ دی ہے، یہ مقام دنیا کی کوئی تہذیب اور نظام عورت کو نہیں دے سکا۔

کاش خواتین کمیشن عورت کے لیے انھی حقوق کی سفارش کرتا جو اسلام نے اسے دیے ہیں اور ان کے عملی نفاذ کے لیے تدبیریں، تجویزیں اور سفارشیں پیش کر کے عورت کی اصلاح احوال کی کوشش کرتا تو یہ صحیح معنوں میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کی خواتین کی خدمت ہوتی!

بیرون ملک قارئین سے خصوصی اپیل

اپنے ملک میں عام پاکستانیوں تک نمونے کے پرچے پہنچا کر سالانہ خریدار بنایئے، آپ کوشش کریں گے تو ان شاءاللہ خوش گوار نتائج سامنے آئیں گے۔

☆

جن مساجد اور مراکز میں اردو پڑھنے والے آتے ہیں، وہاں دوست احباب کے ساتھ مل کر پرچہ رکھوانے کا انتظام کیجیے۔

☆

پاکستان میں اپنے اعزہ و احباب، خصوصاً طلبہ و طالبات کے نام پر رسالہ جاری کروایئے۔ یہ سرمایہ کاری آپ کو پھل دے گی، اس دنیا میں بھی اور یقیناً آخرت کے دن بھی۔